بانگِ درا

(حصہ سوم - 1908 سے)

مصنف

علامہ اقبال

حصہ سوم 1908—سے — 178

بلاد اسلامیہ 178

ستارہ 181

دوستارے 182

گورستان شاہی 183

نمود صبح 190

تضمین بر شعر انیسی شاملو 191

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر 192

ترانہ ملی 193

وطنیت 195

ایک حاجی مدینے کے راستے میں 197

قطعہ 198

شکوہ 199

چاند 209

رات اور شاعر 210

بزم انجم 212

سیر فلک 214

نصیحت 216

رام 218

موثر 219

انسان 220

خطاب بہ جوانان اسلام 221

غرہ شوال 223

شمع اور شاعر 226

مسلم 237

حضور رسالت مآب میں 240

شفاخانہ حجاز 242

جواب شکوہ 244

ساقی 262

تعلیم اور اس کے نتائج 263

قرب سلطان 264

شاعر 265

نوید صبح 266

دعا 267

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں 269

فاطمہ بنت عبد اللہ 270

شبہم اور ستارے 272

محاصرہ درنہ 274

- [غلام قادر ربیلہ 275](#)
[ایک مکالمہ 277](#)
[میں اورتو 278](#)
[تضمین بر شعر ابوظالب کلیم 279](#)
[شبلی و حالی 280](#)
[ارتقا 282](#)
[صدیق 283](#)
[تہذیب حاضر 285](#)
[والدہ مرحومہ کی یاد میں 286](#)
[شعاع آفتاب 296](#)
[عرفی 297](#)
[ایک خط کے جواب میں 298](#)
[نانک 299](#)
[کفر و اسلام 300](#)
[بلال 301](#)
[مسلمان اور تعلیم جدید 302](#)
[پھولوں کی شہزادی 303](#)
[تضمین بر شعر صائب 304](#)
[فردوس میں ایک مکالمہ 305](#)
[مذہب 307](#)
[جنگ پر موک کا ایک واقعہ 308](#)
[مذہب 309](#)
[بیوستہ رہ شجر سے ، امید بہار رکھ! 310](#)
[شب معراج 311](#)
[پھول 312](#)
[شیکسپیر 313](#)
[میں اورتو 314](#)
[اسیری 315](#)
[دریوزہ خلافت 316](#)
[ہمایوں 317](#)
[خضر راہ 318](#)
[طلوع اسلام 329](#)
[غزلیات 338](#)
[ظہر بفاہہ 346](#)

بلاد اسلامیہ

علامہ محمد اقبال

سرزمین دلی کی مسجود دل غم دیدہ ہے
زرے زرے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہ عظمت اسلام ہے یہ سرزمیں

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
نظم عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمی محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہ مسلم گو جہان آباد بھی
اس کرامت کا مگر حق دار ہے بغداد بھی

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامان ناز
لالہ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیب حجاز

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم
جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم

جس کے غنچے تھے چمن سامان ، وہ گلشن ہے یہی
کاپنٹا تھا جن سے روما ، ان کا مدفن ہے یہی

ہے زمین قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور

بجھ کے بزم ملت بیضا پریشان کر گئی
اور دیا تہذیب حاضر کا فروزاں کر گئی

قبر اس تہذیب کی یہ سر زمین پاک ہے
جس سے تاک گلشن یورپ کی رگ نم ناک ہے

خطہ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار
مہدی امت کی سطوت کا نشان پائدار

صورت خاک حرم یہ سر زمیں بھی پاک ہے
آستان مسند آرائے شہ لولاک ہے

نکبت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربت ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے مسلمان! ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کی کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگین
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی
جس کے دامن میں امان اقوام عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشین قیصر کے ، وارث مسند جم کے ہوئے

بے اگر قومیت اسلام پابند مقام
بند ہی بنیاد ہے اس کی ، نہ فارس ہے ، نہ شام

آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو ، ماوا ہے تو
نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں ، باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

بانگِ درا

ستاره

علامہ محمد اقبال

قمر کا خوف کہ ہے خطرہ سحر تجھ کو
مال حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو؟

متاع نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو
ہے کیا ہراس فنا صورت شرر تجھ کو؟

زمین سے دور دیا آسمان نے گھر تجھ کو
مثال ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے!
تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے ، دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند مے زندگی کی مستی ہے

وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل
عدم ، عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے!

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

بانگِ درا

دوستارے

علامہ محمد اقبال

آئے جو قرآن میں دو ستارے

کہنے لگا ایک ، دوسرے سے

یہ وصل مدام ہو تو کیا خوب

انجام خرام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو مہرباں فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو

لیکن یہ وصال کی تمنا

پیغام فراق تھی سراپا

گردش تاروں کا ہے مقدر

ہر ایک کی راہ ہے مقرر

ہے خواب ثبات آشنائی

آئین جہاں کا ہے جدائی

بانگِ درا

گورستان شاہی

علامہ محمد اقبال

آسمان ، بادل کا پہنے خرقہ دیرینہ ہے

کچھ مکدر سا جبین ماہ کا آئینہ ہے

چاندنی پھیکی ہے اس نظارہ خاموش میں

صبح صادق سو رہی ہے رات کی آغوش میں

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خامشی

بربط قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

باطن ہر ذرہ عالم سراپا درد ہے

اور خاموشی لب ہستی پہ آہ سرد ہے

آہ! جولان گاہ عالم گیر یعنی وہ حصار

دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار

زندگی سے تھا کبھی معمور ، اب سنسان ہے

یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سکان کہن کی خاک کا دلدادہ ہے

کوہ کے سر پر مثال پاسبیاں استادہ ہے

ابر کے روزن سے وہ بالائے بام آسماں

ناظر عالم ہے نجم سبز فام آسماں

خاک بازی وسعت دنیا کا ہے منظر اسے

داستاں ناکامی انساں کی ہے ازیر اسے

ہے ازل سے یہ مسافر سوئے منزل جا رہا

آسماں سے انقلابوں کا تماشا دیکھتا

گو سکوں ممکن نہیں عالم میں اختر کے لیے

فاتحہ خوانی کو یہ ٹھہرا ہے دم بھر کے لیے

رنگ و آب زندگی سے گل بدامن ہے زمیں

سینکڑوں خون گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں

خواب گہ شاہوں کی ہے یہ منزل حسرت فزا

دیدہ عبرت! خراج اشک گلگوں کر ادا

ہے تو گورستاں مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے

آہ! اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے

مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر

جنبش مژگاہ سے ہے چشم تماشا کو حذر

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں

سوتے ہیں خاموش ، آبادی کے ہنگاموں سے دور

مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک

جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبین گستر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال

جن کی تدبیر جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال

رعب فغفوری ہو دنیا میں کہ شان قیصری

ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی

بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور

جادہ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

شورش بزم طرب کیا ، عود کی تقریر کیا

درد مندان جہاں کا نالہ شب گیر کیا

عرصہ پیکار میں ہنگامہ شمشیر کیا

خون کو گرمانے والا نعرہ تکبیر کیا

اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ ویراں میں جان رفتہ آ سکتی نہیں

روح ، مشت خاک میں زحمت کش بیداد ہے

کوچہ گرد نے ہوا جس دم نفس ، فریاد ہے

زندگی انسان کی ہے مانند مرغ خوش نوا

شاخ پر بیٹھا ، کوئی دم چہچہایا ، اڑ گیا

آہ! کیا آئے ریاض دہر میں ہم ، کیا گئے!

زندگی کی شاخ سے پھوٹے ، کھلے ، مرجھا گئے

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر نا پیدا کنار

اور اس دریائے بے پایاں کے موجیں ہیں مزار

اے ہوس! خوں رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار

یہ شرارے کا تبسم ، یہ خس آتش سوار

چاند ، جو صورت گر ہستی کا اک اعجاز ہے

پہنے سیمابی قبا محو خرام ناز ہے

چرخ بے انجم کی دہشت ناک وسعت میں مگر

بے کسی اس کی کوئی دیکھے ذرا وقت سحر

اک ذرا سا ابر کا ٹکڑا ہے ، جو مہتاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں ہو جس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی بے یونہی بے اعتبار

رنگ ہائے رفتہ کی تصویر ہے ان کی بہار

اس زیاں خانے میں کوئی ملت گردوں وقار

رہ نہیں سکتی ابد تک بار دوش روزگار

اس قدر قوموں کی بربادی سے بے خوگر جہاں

دیکھتا ہے اعتنائی سے بے یہ منظر جہاں

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار

ذوق جدت سے بے ترکیب مزاج روزگار

ہے نگین دہر کی زینت ہمیشہ نام نو

مادر گیتی رہی آبستن اقوام نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہ گزر

چشم کوہ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور

مصر و بابل مٹ گئے باقی نشان تک بھی نہیں

دفتر ہستی میں ان کی داستاں تک بھی نہیں

آ دبایا مہر ایران کو اجل کی شام نے

عظمت یونان و روما لوٹ لی ایام نے

آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

آسماں سے ابر آذاری اٹھا ، برسا ، گیا

بے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی

کوئی سورج کی کرن شبنم میں بے الجھی ہوئی

سینہ دریا شعاعوں کے لیے گہوارہ ہے

کس قدر پیارا لب جو مہر کا نظارہ ہے

محو زینت ہے صنوبر ، جوئبار آئینہ ہے

غنچہ گل کے لیے باد بہار آئینہ ہے

نعرہ زن رہتی ہے کوئل باغ کے کاشانے میں

چشم انساں سے نہاں ، پتوں کے عزلت خانے میں

اور بلبل ، مطرب رنگیں نوائے گلستان

جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستان

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے

خامہ قدرت کی کیسی شوخ یہ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے گلستان زادوں کے ہیں

وادی کہسار میں نعرے شبان زادوں کے ہیں

زندگی سے یہ پرانا خاک داں معمور ہے

موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

پتیاں پھولوں کی گرتی ہیں خزاں میں اس طرح

دست طفل خفته سے رنگیں کھلونے جس طرح

اس نشاط آباد میں گو عیش بے اندازہ ہے

ایک غم ، یعنی غم ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں

اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

اشک باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در

گریہ پیہم سے بیٹا ہے ہماری چشم تر

دہر کو دیتے ہیں موتی دیدہ گریاں کے ہم

آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفاں کے ہم

ہیں ابھی صد ہا گہر اس ابر کی آغوش میں

برق ابھی باقی ہے اس کے سینہ خاموش میں

وادی گل ، خاک صحرا کو بنا سکتا ہے یہ

خواب سے امید دہقان کو جگا سکتا ہے یہ

ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور

بانگِ درا

نمود صبح

علامہ محمد اقبال

ہو رہی ہے زیر دامن افق سے آشکار

صبح یعنی دختر دوشیزہ لیل و نہار

پا چکا فرصت درود فصل انجم سے سپہر

کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

آسماں نے آمد خورشید کی پا کر خبر

محمل پرواز شب باندھا سر دوش غبار

شعلہ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دبقان گردوں نے جو تاروں کے شرار

بے رواں نجم سحر ، جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار

کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغ آب دار

مطلع خورشید میں مضمحل ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوت گاہ مینا میں شراب خوش گوار

ہے تہ دامن باد اختلاط انگیز صبح
شورش ناقوس ، آواز اذان سے ہمکنار

جاگے کوئل کی اذان سے طائران نغمہ سنج

بے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار

بانگِ درا

تضمین بر شعر انیسی شاملو

علامہ محمد اقبال

ہمیشہ صورت باد سحر آوارہ رہتا ہوں
محبت میں بے منزل سے بھی خوشتر جاہد پیمائی

دل بے تاب جا پہنچا دیار پیر سنجر میں
میسر ہے جہاں درمان درد نا شکیبائی

ابھی نا آشنائے لب تھا حرف آرزو میرا
زباں ہونے کو تھی منت پذیر تاب گویائی

یہ مرقد سے صدا آئی ، حرم کے رہنے والوں کو
شکایت تجھ سے ہے اے تارک آئین آبائی!

ترا اے قیس کیونکر ہو گیا سوز دروں ٹھنڈا
کہ لیلی میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلانی

نہ تخم "لا الہ" تیری زمین شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی

تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کنشتی ساز، معمور نوا ہائے کلیسائی

ہوئی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری
دل شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی

"وفا آموختی از ما، بکار دیگران کر دی
ربودی گوہرے از ما نثار دیگران کر دی"

بانگِ درا

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

علامہ محمد اقبال

وہ مست ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے
کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے

""الہی! پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے
کلی سے رشک گل آفتاب مجھ کو کرے""

تجھے وہ شاخ سے توڑیں! زبے نصیب ترے
تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب ترے

اٹھا کے صدمہٴ فرقت وصال تک پہنچا
تری حیات کا جوہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق ہیں جس پہ اہل نظر
مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

كبهى به بهول به آغوش مءعا نه بهوا
كسى كه ءامن رنگين سه آشنا نه بهوا

شكفته كر نه سهكه گى كبهى بهار سه
فسرءه ركهتا بهه گلچين كا انتظار سه

بانگءءرا

ءرانء ملى

ءلامء مءمء اقبال

چين و عرب بهمارا ، بهنءوسءان بهمارا

مسلم بهين بهم ، وطن بهه سارا جهاں بهمارا

ءوحيء كى امانء سهينون ميں بهه بهماره

آساں نهين مءءانا نام و نشان بهمارا

ءنيا كهه بهء كوون ميں بههلا وه گهر ءءا كا

ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اداں ہماری

تہمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

باطل سے دنیے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو

تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا

اے موج دجلہ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو

اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے ارض پاک! تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خون تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

بانگِ درا

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے)

وطنیت

علامہ محمد اقبال

اس دور میں مے اور ہے ، جام اور ہے جم اور

ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے ، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے

غارِ گر کاشانہ دین نبوی ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام ترا دیس ہے ، تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی

رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی

ہے ترک وطن سنت محبوب الہی

دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے

کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے

قومیت اسلام کے جڑ کٹتی ہے اس سے

بانگِ درا

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

علامہ محمد اقبال

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل بے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل بے دور

ہم سفر میرے شکارِ دشمنہ رہزن ہوئے
بچ گئے جو ، ہو کے بے دل سوئے بیت اللہ پھرے

اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی !

موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی

خنجر رہزن اسے گویا بلال عید تھا
"ہائے یثرب" دل میں ، لب پر نعرہ توحید تھا

خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے ، بے باکانہ چل

بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا
عاشقوں کو روز محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا

خوف جاں رکھتا نہیں کچھ دشت پیمائے حجاز
ہجرت مدفون یثرب میں یہی مخفی ہے راز

گو سلامت محمل شامی کی ہمرابی میں ہے
عشق کی لذت مگر خطروں کے جاں کاہی میں ہے

آہ! یہ عقل زیاں اندیش کیا چالاک ہے

اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

بانگِ درا

قطعہ

علامہ محمد اقبال

کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

یہ زائرانِ حریمِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

غضب ہیں یہ "مرشدانِ خود بینی خدا تری قوم کو بچائے!
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

سنے گا اقبال کون ان کو ، یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں!

بانگِ درا

شکوہ

علامہ محمد اقبال

کیوں زیاں کار بنوں ، سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرات آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے ، خاکم بدہن ، ہے مجھ کو

ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں ، فریاد سے معمور ہیں ہم

نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوہ ارباب وفا بھی سن لے
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذات قدیم
پھول تھا زیب چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر ، کہیں معبود شجر

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر

مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

تجھ کو معلوم ہے ، لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی
اہل چین میں ، ایران میں ساسانی بھی

اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے ، نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی ، وہ بنائی کس نے

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے ، کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

كبهى افريقه كے تپتے ہوئے صحراؤں ميں

شان آنكهوں ميں نہ ججتى تھى جہاں داروں كى
كلمہ جب پڑھتے تھے ہم چھاؤں ميں تلواروں كى

ہم جو جيتے تھے تو جنگوں كے مصيبت كے ليے
اور مرتے تھے ترے نام كى عظمت كے ليے

تھى نہ كچھ تيغ زنى اپنى حكومت كے ليے
سربكف پھرتے تھے كيا دہر ميں دولت كے ليے؟

قوم اپنى جو زر و مال جہاں پر مرتى
بت فروشى كے عوض بت شكنى كيوں كرتى!

ٹل نہ سكتے تھے اگر جنگ ميں اڑ جاتے تھے
پاؤں شيروں كے بهى ميڊاں سے اكھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا كوئى تو بگڑ جاتے تھے

تینغ کیا چیز ہے ، ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا ، اس کو کیا سر کس نے

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدہ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی

کس کی شمشیر جہاں گیر ، جہاں دار ہوئی

کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی بیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے "ہو اللہ احد" کہتے تھے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

کوہ میں ، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے

اور معلوم ہے تجھ کو ، کبھی ناکام پھرے!

دشت تو دشت ہیں ، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صفحہ دبر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں ، تو بھی تو دلدار نہیں!

امتیں اور بھی ہیں ، ان میں گنہ گار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں ، مست مے پندار بھی ہیں

ان میں کابل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں

سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں ، مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے

منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے ، احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ، ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور

اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور

اب وہ الطاف نہیں ، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں بے دولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہرو دشت ہو سیلی زدہ موج سراب

طعن اغیار ہے ، رسوائی ہے ، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے ، اوروں نے سنبھالی دنیا

پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے ، جام رہے!

تیری محفل بھی گئی ، چاہنے والے بھی گئے
شب کے آہیں بھی گئیں ، صبح کے نالے بھی گئے

دل تجھے دے بھی گئے ، اپنا صلا لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق ، گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

درد لیلی بھی وہی ، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رم آہو بھی وہی

عشق کا دل بھی وہی ، حسن کا جادو بھی وہی

امت احمد مرسل بھی وہی ، تو بھی وہی

پھر یہ آزدگی غیر سبب کیا معنی
اپنے شیداؤں پہ یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا ، بت شکنی کو چھوڑا؟

عشق کو ، عشق کی آشفته سری کو چھوڑا؟
رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی

مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی

اور پابندی آئین وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے ، کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں ، تو بھی تو ہرجائی ہے !

سر فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے

آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمی رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں ، تجھے یاد نہیں؟

وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محمل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے ، ہم نہ رہے ، دل نہ رہا

گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا

اے خوش آن روز کہ آئی و بصد ناز آئی
ہے حجابانہ سوئے محفل ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے
سنتے ہیں جام بکف نعمہ کو کو بیٹھے

دور ہنگامہ گلزار سے یک سو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر "ہو" بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبل ہے پر کو مذاق پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز

تو ذرا چھیڑ تو دے، تشنہ مضراب ہے ساز

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے
مور بے مایہ کو ہمدوش سلیمان کر دے

جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے
بند کے دیر نشینوں کو مسلمان کر دے

جوئے خون می چکا از حسرت دیرینہ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدہ سینہ ما

بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن !

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن

اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرواز چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیربن برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی!

لطف مرنے میں ہے باقی ، نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں

كس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں ، وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم بے تو کیا ، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ، لے تو حجازی ہے مری!

بانگِ درا

چاند

علامہ محمد اقبال

اے چاند! حسن تیرا فطرت کی آبرو ہے
طوف حریم خاکی تیری قدیم خو ہے

یہ داغ سا جو تیرے سینے میں ہے نمایاں
عاشق ہے تو کسی کا، یہ داغ آرزو ہے؟

میں مضطرب زمیں پر، بے تاب تو فلک پر
تجھ کو بھی جستجو ہے، مجھ کو بھی جستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی، محفل وہی ہے تیری؟
میں جس طرف رواں ہوں، منزل وہی ہے تیری؟

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خامشی میں
پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں

استادہ سرو میں ہے، سبزے میں سو رہا ہے
بلبل میں نغمہ زن ہے، خاموش ہے کلی میں

آ ! میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اس کا
نہروں کے آٹنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشت و در میں ، کہسار میں وہی ہے
انسان کے دل میں ، تیرے رخسار میں وہی ہے

بانگِ درا

رات اور شاعر

علامہ محمد اقبال

(1) رات

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشان
خاموش صورت گل ، مانند بو پریشان

تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو

یا تو مری جیبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو بستی میں جا بسا ہے

خاموش ہو گیا ہے تار رباب ہستی
ہے میرے آنے میں تصویر خواب ہستی

دریا کی تہ میں چشم گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موج بے تاب سو گئی ہے

بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے

شاعر کا دل ہے لیکن ناآشنا سکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیونکر مرے فسوں سے؟

(2) شاعر

میں ترے چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
عزالت شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے ، سناؤں کس کو
تپش شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو

برق ایمن مرے سینے پہ پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ ، کہاں سوتی ہے!

صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ، اے رات! بڑی دور ہے منزل میری

عہد حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو
اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کا

ضبط پیغام محبت سے جو گھبراتا ہوں
تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

بانگِ درا

بزمِ انجم

علامہ محمد اقبال

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشتِ افق سے لے کر لالے کے پھول مارے

پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے

محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت اُئی
چمکے عروسِ شب کے موتی وہ پیارے پیارے

وہ دور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے
کہتا ہے جن کو انساں اپنی زباں میں "تارے"

محو فلک فروزی تھی انجمن فلک کی
عرش بریں سے آئی آواز اک ملک کی

اے شب کے پاسانو، اے آسماں کے تارو!
تابندہ قوم ساری گردوں نشیں تمہاری

چھیڑو سرود ایسا ، جاگ اٹھیں سونے والے
رہبر بے قافلوں کی تاب جیبیں تمہاری

آئینے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں
شاید سنیں صدائیں اہل زمیں تمہاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسماں کی معمور اس نوا سے

"حسن ازل بے پیدا تاروں کی دلبری میں
جس طرح عکس گل ہو شبنم کے آرسی میں

آئین نو سے ڈرنا ، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی گھٹن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروان ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں

آنکھوں سے ہیں ہماری غائب ہزاروں انجم
داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

اک عمر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے
جو بات پا گئے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

بانگِ درا

سیرِ فلک

علامہ محمد اقبال

تھا تخیل جو ہم سفر میرا
آسماں پر ہوا گزر میرا

اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی
جاننے والا چرخ پر میرا

تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے
راز سر بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے
خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش

شاخ طوبی! پہ نغمہ ریز طیور
بے حجابانہ حور جلوہ فروش

ساقیان جمیل جام بدست
پینے والوں میں شور نوشانوش

دور جنت سے آنکھ نے دیکھا
ایک تاریک خانہ سرد و خموش

طالع قیس و گیسوئے لیلی
اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش

خنک ایسا کہ جس سے شرما کر
کرہ زمہریر ہو روپوش

میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی
حیرت انگیز تھا جواب سروش

یہ مقام خنک جہنم ہے
نار سے ، نور سے تہی آغوش

شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے
جن سے لرزاں ہیں مرد عبرت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

بانگِ درا

نصیحت

علامہ محمد اقبال

میں نے اقبال سے از راہ نصیحت یہ کہا
عامل روزہ ہے تو اور نہ پابند نماز

تو بھی ہے شیوہ ارباب ریا میں کامل
دل میں لندن کی ہوس ، لب پہ ترے ذکر حجاز

جھوٹ بھی مصلحت آمیز ترا ہوتا ہے
تیرا انداز تملق بھی سراپا اعجاز

ختم تقریر تری مدحت سرکار پہ ہے
فکر روشن ہے ترا موجد آئین نیاز

در حکام بھی ہے تجھ کو مقام محمود
پالسی بھی تری پیچیدہ تر از زلف ایاز

اور لوگوں کی طرح تو بھی چہپا سکتا ہے
پردہ خدمت دیں میں ہوس جاہ کا راز

نظر آ جاتا ہے مسجد میں بھی تو عید کے دن
اثر وعظ سے ہوتی ہے طبیعت بھی گداز

دست پرورد ترے ملک کے اخبار بھی ہیں
چھیڑنا فرض ہے جن پر تری تشہیر کا ساز

اس پہ طرہ ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینائے سخن میں ہے شراب شیراز

جتے اوصاف ہیں لیڈر کے ، وہ ہیں تجھ میں سبھی
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شریک تگ و تاز

غم صیاد نہیں ، اور پر و بال بھی ہیں
پھر سبب کیا ہے ، نہیں تجھ کو دماغ پرواز

""عاقبت منزل ما وادی خاموشان است
حالیاً غلغلہ در گنبد افلاک انداز""

بانگِ درا

رام

علامہ محمد اقبال

لبریز بے شراب حقیقت سے جام ہند

سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند

یہ ہندیوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر

رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بام ہند

اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت

مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند

بے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز

اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی

روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا ، شجاعت میں فرد تھا

پاکیزگی میں ، جوش محبت میں فرد تھا

بانگِ درا

موٹر

علامہ محمد اقبال

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی
موٹر بے ذوالفقار علی خان کا کیا خموش

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیز ، مثال ہوا خموش

میں نے کہا ، نہیں ہے یہ موٹر پہ منحصر
ہے جادہ حیات میں ہر تیز پا خموش

ہے پا شکستہ شیوہ فریاد سے جرس
نکبت کا کارواں ہے مثال صبا خموش

مینا مدام شورش قلقل سے پا بہ گل
لیکن مزاج جام خرام آشنا خموش

شاعر کے فکر کو پرواز خامشی
سرمایہ دار گرمی آواز خامشی!

بانگِ درا

انسان

علامہ محمد اقبال

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ نازی
با

محروم عمل نرگس مجبور تماشا ہے

رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
فطرت ہی صنوبر کی محروم تمنا ہے

تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں
انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے

اس ذرے کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں ، شاید سمٹا ہوا صحرا ہے
چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستان کی
یہ ہستی دانا ہے ، بیٹا ہے ، توانا ہے

بانگِ درا

خطاب بہ جوانان اسلام

علامہ محمد اقبال

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا

تمدن آفریں خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

سماں "الفقر فخری" کا رہا شان امارت میں
"باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا ر"

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منع کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار ، تو ثابت وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی ، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارا

""غنی! روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا ر""

بانگِ درا

غرہ سوال

یا

ہلال عید

علامہ محمد اقبال

غرہ شوال! اے نور نگاہ روزہ دار
آ کہ تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے ، صبح عیش کی تمہید ہے

سرگزشت ملت بیضا کا تو آئینہ ہے
اے مہ نو! ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے

جس علم کے سائے میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم
دشمنوں کے خون سے رنگیں قبا ہوتے تھے ہم

تیری قسمت میں ہم آغوشی اسی راہت کی ہے
حسن روز افزوں سے تیرے آبرو ملت کی ہے

آشنا پرور ہے قوم اپنی ، وفا آئیں ترا

بے محبت خیز یہ پیراہن سیمیں ترا

اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے!

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
رہر و درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر
اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکستہ رشتہ تسبیح شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر

اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

بارش سنگ حوادث کا تماشائی بھی ہو

امت مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

ہاں ، تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو

اور جو بے آبرو تھے ، ان کی خود داری بھی دیکھ

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا

اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

ساز عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن

اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ

چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا

سادگی مسلم کی دیکھ ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صورت آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ

شورش امروز میں محو سرود دوش رہ

بانگِ درا

شمع اور شاعر

علامہ محمد اقبال

(فروری 1912ء) شاعر

دوش می گفتم بہ شمع منزل ویران خویش
گیسوی تو از پر پروانہ دارد شانہ اے

در جہاں مثل چراغ لالہ صحراستم
نہ نصیب محفلے نہ قسمت کاشانہ اے

مدتے مانند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ اے

می تپد صد جلوه در جان امل فرسودمن
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ اے

از کجا این آتش عالم فروز اندوختی
کرمک بے مایہ را سوز کلیم آموختی

شمع

مجھ کو جو موج نفس دیتی بے پیغام اجل
لب اسی موج نفس سے بے نوا پیرا ترا

میں تو جلتی ہوں کہ بے مضمہ مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

گریہ سامان میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا

گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا

یوں تو روشن ہے مگر سوز دروں رکھتا نہیں
شعلہ ہے مثل چراغ لالہ صحرا ترا

سوچ تو دل میں ، لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ ہے صہبا ترا!

اور ہے تیرا شعار ، آئین ملت اور ہے
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بت خانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوق ہے پروا ترا

قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا ترا ، محمل ہے بے لیلا ترا

اے در تابندہ ، اے پروردہ آغوش موج!

لذت طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا

اب نوا پیرا ہے کیا ، گلشن ہوا برہم ترا

بے محل تیرا ترنم ، نغمہ بے موسم ترا

تھا جنہیں ذوق تماشا ، وہ تو رخصت ہو گئے

لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے

ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

آہ ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی

پھول کو باد بہاری کا پیام آیا تو کیا

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا
اب کوئی سودائی سوز تمام آیا تو کیا
پھول بے پروا ہیں ، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے ، آواز درا ہو یا نہ ہو
شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
رشتہ الفت میں جب ان کو پروا سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
شوق بے پروا گیا ، فکر فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانی رہے
وہ جگر سوزی نہیں ، وہ شعلہ آشامی نہیں
فائدہ پھر کیا جو گرد شمع پروانے رہے

خیر ، تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
اب نہ وہ مے کش رہے باقی نہ مے خانے رہے

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلی رہی ، لیلی کے دیوانے رہے

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں بند میں نذر برہمن ہو گئیں

دہر میں عیش دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں

خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امید نور ایمن ہو گئیں

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابند نشیمن ہو گئیں

وسعت گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودہ دامن خرمن ہو گئیں

دیدہ خونبار ہو منت کش گلزار کیوں
اشک پیہم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

مژدہ اے پیمانہ بردار خمستان حجاز!

بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

نقد خود داری بہائے بادۂ اغیار تھی

پھر دکان تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش

ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیمایان ہند

پھر سلیمی کی نظر دیتی ہے پیغام خروش

پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز

دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش

نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں

بے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

در غم دیگر بسوز و دیگران را ہم بسوز

گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش

کہہ گئے ہیں شاعری جزو یست از پیغمبری
ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا
بحر تھا صحرا میں تو ، گلشن میں مثل جو ہوا

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروان بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرار حیات
یہ کبھی گوہر ، کبھی شبنم ، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر ، بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بیگانہ پہلو ہوا

فرد قائم ربط ملت سے ہے ، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

پردہ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ
آبر باقی تری ملت کی جمعیت ہے تھی

جب یہ جمعیت گئی ، دنیا میں رسوا تو ہوا
یعنی اپنی مے کو رسوا صورت مینا نہ کر

خیمہ زن ہو وادی سینا میں مانند کلیم
شعلہ تحقیق کو غارت گر کاشانہ کر

شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجام ستم
صرف تعمیر سحر خاکستر پروانہ کر

تو اگر خود دار ہے ، منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
ہے جنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر

خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر
تو عصا افتاد سے پیدا مثال دانہ کر

ہاں ، اسی شاخ کہن پر پھر بنا لے آشیاں
اہل گلشن کو شہیدِ نغمہ مستانہ کر

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیز گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا ، سرودِ بربطِ عالم ہے تو

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقانِ ذرا
دانہ تو ، کھیتی بھی تو ، باراں بھی تو ، حاصل بھی تو

آه ، كس كى جستجو آواره ركهتى هے تجھے
راه تو ، رهرو بهى تو، رهبر بهى تو، منزل بهى تو

كانپتا هے دل ترا انديشه طوفان سه كيا
ناخدا تو ، بحر تو ، كشتى بهى تو، ساحل بهى تو

ديكه آ كر كوچه چاك گريبان ميں كهى
قيس تو، ليلي بهى تو، صحرا بهى تو، محمل بهى تو

وائے نادانى كه تو محتاج ساقى هو كيا
مه بهى تو، مينا بهى تو، ساقى بهى تو، محفل بهى تو

شعله بن كر پهونك ده خاشاك غير الله كو
خوف باطل كيا كه هے غارت گر باطل بهى تو

هے خبر! تو جوهر آئينه ايام هے
تو زمانه ميں خدا كا آخري پيغام هے

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے ، لیکن مثال بحر ہے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفان بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیام ناز کا
جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے ، پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر ہے تیغ و تفتنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے ؟

تو بی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

دل کی کیفیت ہے پیدا پردہ تقریر میں
کسوت مینا میں مے مستور بھی ، عریاں بھی ہے

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوہ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ!

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار
نکھت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

شبم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی

دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مال
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبین خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

نالہ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نعمت توحید سے

بانگِ درا

مسلم

علامہ محمد اقبال

(جون 1912ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
سینہ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے
نغمہ امید تیری بربط دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلی تیرے محفل میں نہیں
گوش آواز سرود رفتہ کا جو یا ترا
اور دل ہنگامہ حاضر سے ہے پروا ترا
قصہ گل ہم نوایان چمن سنتے نہیں
اہل محفل تیرا پیغام کہن سنتے نہیں
اے درائے کاروان خفتہ پا! خاموش رہ

بے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر وہ محفل دیرینہ ہو سکتی نہیں

شمع سے روشن شب دو شینہ ہوسکتی نہیں

ہم نشیں! مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں

اس صداقت پر ازل سے شاید عادل ہوں میں

نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے

اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا

اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا

دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا

حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا

میری ہستی پیرہن عریانی عالم کی ہے

میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

قسمت عالم کا مسلم کوکب تابندہ ہے

جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرار حیات

کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکار حیات

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے

ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے

یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار

فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار

ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کہن رہتا ہوں میں

اہل محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں

یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں

دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضور رسالت مآب میں

علامہ محمد اقبال

گران جو مجھ پہ یہ ہنگامہ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا

قیود شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظام کہنہ عالم سے آشنا نہ ہوا

فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے ، اے عندلیب باغ حجاز!
کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوش جام ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرت سجود نیاز

اڑا جو پستی دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعت پرواز

نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

""حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو" وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے "جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں""

بانگِ درا

شفاخانہ حجاز

علامہ محمد اقبال

اک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا
کھلنے کو جدہ میں ہے شفاخانہ حجاز

بوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرہ ہے قرار
سنتا ہے تو کسی سے جو افسانہ حجاز

دست جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف
مشہور تو جہاں میں ہے دیوانہ حجاز

دارالشفای حوالی لبطحا میں چاہیے
نبض مریض پنچہ عیسیٰ میں چاہیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں

تلخابه اجل میں جو عاشق کو مل گیا
پایا نہ خضر نے مے عمر دراز میں

اوروں کو دیں حضور! یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

اُنے ہیں آپ لے کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہل درد مسیحا سے کام کیا!

بانگِ درا

جواب شکوہ

علامہ محمد اقبال

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اُٹھتی ہے، گردوں پہ گزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالہ فریاد مرا

پیر گردوں نے کہا سُن کے ، کہیں ہے کوئی !
بولے سیارے ، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی !

چاند کہتا تھا ، نہیں اہلِ زمیں ہے کوئی !
کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی !

کُچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا !

عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا !

تا سرِ عرش بھی انسان کی تگ و تاز ہے کیا ؟

آگنی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا ؟

غافل آداب سے سُکانِ زمیں کیسے ہیں !

شوخ و گُستاخ یہ پستی کے مکین کیسے ہیں !

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے

تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے ؟

عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے

ہاں ، مگر عجز کے اسرار سے نا محرم ہے

ناز ہے طاقتِ کُفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا
اشکِ بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا

آسماں گیر ہوا نعرہ مستانہ ترا
کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا

شکر شکوے کو کیا حُسنِ ادا سے تُو نے
ہم سُخن کر دیا بندوں کو خدا سے تُو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہو منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہے ، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی ، یہ وہ گِل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
دُھونڈتے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں ، الحاد سے دل خُوگر ہیں
اُمّتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

بُت شکن اُٹھ گئے ، باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

بادہ آشام نئے ، بادہ نیا ، خم بھی نئے
حرم کعبہ نیا ، بُت بھی نئے ، تم بھی نئے

وہ بھی دِن تھے کہ یہی مایہٴ رعنائی تھا !
نازشِ موسمِ گُل ، لالہٴ صحرائی تھا !

جو مُسلمان تھا اللہ کا سَوَدائی تھا !
کبھی محبوب تمہارا یہی برجائی تھا !

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملتِ احمدِ مُرسل کو مقامی کر لو

کس قدر تُم پہ گراں صُبْح کی بیداری ہے !
ہم سے کب پیار ہے ؟ ہاں نیند تُمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفا داری ہے ؟

قومِ مذہب سے ہے ، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن ، تُم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن ، تُم ہو

بجلیاں جس میں ہوں اُسودہ وہ خرمن ، تُم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن ، تُم ہو

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے ؟

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے ؟

نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے ؟

میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے ؟

میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے ؟

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی ، مگر تم کیا ہو ؟

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو !

کیا گیا ؟ بہرِ مُسلمان ہے فقط وعدہ حُور

شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور !

عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور

مُسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حُور و قصور

تُم میں حُوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوہ طُور تو موجود ہے مُوسٰی ہی نہیں

منفعت ایک ہے اِس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی ، اللہ بھی ، قُرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مُسلمان بھی ایک؟

فرقہ بندی ہے کہیں ، اور کہیں ذاتیں ہیں !
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟

کون ہے تارکِ اَئینِ رسولِ مختار؟
مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہیں پاس نہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب

امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی

برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذان، روح ہلالی نہ رہی

فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خوان ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود

ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی، لوٹ مراعات سے پاک

شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نم ناک
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

خود گدازی نم کیفیت صہبائش بود
خالی از خویش شدن صورت مینائش بود

بر مسلمان رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینہ ہستی میں عملِ جوہر تھا

جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا
بے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراث پدر کیونکر ہو!

بر کوئی مست مے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابین، وہ خطا پوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریرِ گے بھی
یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

خود کشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خود دار
تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار

تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

مثل انجم افق قوم پہ روشن بھی ہوئے
بت بندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے

شوق پرواز میں مہجور نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بد ظن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قیس زحمت کش تنہائی صحرا نہ رہے
شہر کی کھائے ہوا، بادیہ پیمانہ نہ رہے

وہ تو دیوانہ ہے، بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجاب رُخ لیلا نہ رہے

گلہ جور نہ ہو، شکوہ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے، کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو!

عہد نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے

اس نئی آگ کا اقوام کہیں ایندھن ہے
ملت ختم رسل شعلہ بہ پیرا بن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خون شہداء کی لالی

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

امتیں گلشن ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محروم ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں

سینکڑوں نخل ہیں ، کابیدہ بھی ، بالیدہ بھی ہیں
سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخل اسلام نمونہ ہے برد مندی کا
پہل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گرد وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

نخل شمع استی و در شعلہ دود ریشہ تو

عاقبت سوز بود سایہ اندیشہ تو

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے

نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصر نو رات ہے، دھندلا سا تارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ پیا یورش بلغاری کا

غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزاری کا

امتحان ہے ترے ایثار کا، خود داری کا

کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعدا سے
نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکب قسمت امکان ہے خلافت تیری

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مئل بو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا
رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا
نغمہ موج سے ہنگامہ طوفاں ہو جا!

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے

چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

مردم چشم زمین یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہداء پالنے والی دنیا

گرمی مہر کی پروردہ بلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
میرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

امتیئں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محروم ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں

سینکڑوں نخل ہیں ، کاپیدہ بھی ، بالیدہ بھی ہیں
سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برد مندی کا
پہل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

بانگِ درا

ساقی

علامہ محمد اقبال

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے

مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں

کہیں سے اب بقائے دوام لے ساقی!

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری

سحر قریب ہے، اللہ کا نام لے ساقی!

بانگِ درا

تعلیم اور اس کے نتائج

علامہ محمد اقبال

(تضمین بر شعر ملاعرشی)

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر

لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی سا
تھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فریاد بھی ساتھ
"تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانچہ کشتیم ز خجالت نتوان کرد درو

بانگِ درا

قرب سلطان

علامہ محمد اقبال

تمیز حاکم و محکوم مٹ نہیں سکتی
مجال کیا کہ گداگر ہو شاہ کا ہمدوش

جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا کمال
رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگیں پوش

مگر غرض جو حصول رضائے حاکم ہو
خطاب ملتا ہے منصب پرست و قوم فروش

پرانے طرز عمل میں ہزار مشکل ہے
نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسماں رہیے
"ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش"

یہی اصول ہے سرمایہ سکون حیات
"گداے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"

مگر خروش پہ مائل ہے تو، تو بسم اللہ
"بگیر بادہ صافی، ببانگ چنگ بنوش"

شریک بزم امیر و وزیر و سلطان ہو
لڑا کے توڑ دے سنگ ہوس سے شیشہ ہوش

پیام مرشد شیراز بھی مگر سن لے
کہ ہے یہ سر نہاں خانہ ضمیر سروش

""محل نور تجلی ست رائے انور شاہ
جو قرب او طلبی در صفائے نیت کوش""

بانگِ درا

شاعر

علامہ محمد اقبال

جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شراب لالہ گوں مے کدہ بہار سے

مست مے خرام کا سن تو ذرا پیام تو

زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے

پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر
کرتی ہے عشق بازیاں سیزہ مرغزار سے

جام شراب کوہ کے خم کدے سے اڑاتی ہے
پست و بلند کر کے طے کھیتوں کو جا پلاتی ہے

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری

شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزی

اہل زمیں کو نسخہ زندگی دوام ہے
خون جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشن دہر میں اگر جوئے مے سخن نہ ہو

پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو

بانگِ درا

نوید صبح

علامہ محمد اقبال

1912ء

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر
منزل بستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

محل قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت

چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغام حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق ، گرم تقاضا تو بھی ہو

وسعت عالم میں رہ پیما ہو مثل آفتاب
دامن گردوں سے نا پیدا ہوں یہ داغ سحاب

کھینچ کر خنجر کرن کا ، پھر ہو سرگرم ستیز
پھر سکھا تاریکی باطل کو آداب گریز

تو سراپا نور ہے ، خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں ، نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہو
اے دل کون و مکاں کے راز مضمرا! فاش ہو

بانگِ درا

دعا

علامہ محمد اقبال

یا رب! دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے ، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے

محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے ابو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو

وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خود داری ساحل دے، آزادی دریا دے

بے لوٹ محبت ہو ، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے

احساسِ عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے

میں بلبِ نالوں ہوں اک اجڑے گلستان کا
تاثیر کا سائل ہوں ، محتاج کو ، داتا دے!

بانگِ درا

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

علامہ محمد اقبال

یہ شالامار میں اک برگ زرد کہتا تھا
گیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں

نہ پائمال کریں مجھ کو زائران چمن
انہی کی شاخ نشیمن کی یادگار ہوں میں

ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
چمن میں آ کے سراپا غم بہار ہوں میں

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں

اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیام عیش ، مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

بانگِ درا

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی

فاطمہ بنت عبداللہ

علامہ محمد اقبال

1912ء

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذره ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت، حور صحرائی! تری قسمت میں تھی
غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفرین شوق شہادت کس قدر

یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب، اپنی خاکستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمہ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

ہے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعت مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدہ انسان سے نامحرم ہے جن کی موج نور

جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانہ ایام سے
جن کی ضو ناآشنا ہے قید صبح و شام سے
جن کی تابانی میں انداز کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکب تقدیر کا پرتو بھی ہے

بانگِ درا

شبیم اور ستارے

علامہ محمد اقبال

اک رات یہ کہنے لگے شبیم سے ستارے
ہر صبح نئے تجھ کو میسر ہیں نظارے
کیا جانے ، تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے
جو بن کے مٹے، ان کے نشاں دیکھ چکی ہے
زہرہ نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے

انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہہ ہم سے بھی اس کشور دلکش کا فسانہ
گاتا ہے قمر جس کی محبت کا ترانہ

اے تارو نہ پوچھو چمنستان جہاں کی
گلشن نہیں ، اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی

آتی ہے صبا واں سے پلٹ جانے کی خاطر
ہے چاری کلی کھلتی ہے مرجھانے کی خاطر

کیا تم سے کہوں کیا چمن افروز کلی ہے
ننھا سا کوئی شعلہ ہے سوز کلی ہے

گل نالہ بلبیل کی صدا سن نہیں سکتا
دامن سے مرے موتیوں کو چن نہیں سکتا

ہیں مرغ نوا ریز گرفتار، غضب ہے

اگتے ہیں تہ سایۂ گل خار، غضب ہے

رہتی ہے سدا نرگس بیمار کی تر آنکھ
دل طالب نظارہ ہے ، محروم نظر آنکھ

دل سوختہ گرمی فریاد ہے شمشاد
زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد

تارے شرر آہ ہیں انسان کی زباں میں
میں گریہ گردوں ہوں گلستان کی زباں میں

نادانی ہے یہ گرد زمیں طوف قمر کا
سمجھا ہے کہ درماں ہے وہاں داغ جگر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
فریاد کی تصویر ہے قرطاس فضا پر

بانگِ درا

محاصرہ درنہ

علامہ محمد اقبال

یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑ گئی
حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا

گرد صلیب گرد قمر حلقہ زن ہوئی
شکری حصار درنہ میں محصور ہو گیا

مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوئے تمام
روئے امید آنکھ سے مستور ہو گیا

آخر امیر عسکر ترکی کے حکم سے
"انٹین جنگ" شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوئی ذخیرہ لشکر میں منتقل
شاہیں گدائے دانہ عصفور ہو گیا

لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثل صاعقہ طور ہو گیا

ذمی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام
فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا

چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
مسلم ، خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

بانگِ درا

غلام قادر ربیلہ

علامہ محمد اقبال

ربیلہ کس قدر ظالم، جفا جو، کینہ پرور تھا
نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے

دیا اہل حرم کو رقص کا فرماں ستم گر نے

یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آثار محشر سے

بھلا تعویل اس فرمان غیرت کش کی ممکن تھی!

شہنشاہی حرم کی نازنینان سمن بر سے

بنایا آہ! سامان طرب بیدرد نے ان کو

نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر و ماہ و اختر سے

لرزتے تھے دل نازک، قدم مجبور جنبش تھے

رواں دریائے خون ، شہزادیوں کے دیدہ تر سے

یونہی کچھ دیر تک محو نظر آنکھیں رہیں اس کی

کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بار مغفر سے

کمر سے ، اٹھ کے تیغ جاں ستاں ، آتش فشاں کھولی

سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جوہر سے

رکھا خنجر کو آگے اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا

تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم احمر سے

بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے

پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
شکایت چاہیے تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے

مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
کہ غفلت دور سے شان صف آریان لشکر سے

یہ مقصد تھا مرا اس سے ، کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

بانگِ درا

ایک مکالمہ

علامہ محمد اقبال

اک مرغ سرا نے یہ کہا مرغ ہوا سے
پردار اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پردار!

گر تو ہے ہوا گیر تو ہوں میں بھی ہوا گیر
آزاد اگر تو ہے ، نہیں میں بھی گرفتار

پرواز ، خصوصیت ہر صاحب پر ہے
کیوں رہتے ہیں مرغان ہوا مائل پندار؟

مجروح حمیت جو ہوئی مرغ ہوا کی
یوں کہنے لگا سن کے یہ گرفتار دل آزار

کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
حد ہے تری پرواز کی لیکن سر دیوار

واقف نہیں تو ہمت مرغان ہوا سے
تو خاک نشین ، انہیں گردوں سے سروکار
تو مرغ سرائی ، خورش از خاک بجوئی
ما در صدد دانہ بہ انجم زدہ منقار

بانگِ درا

میں اورتو

علامہ محمد اقبال

مذاق دید سے ناآشنا نظر ہے مری
تری نگاہ ہے فطرت کی راز دان، پھر کیا
ربین شکوہ ایام ہے زبان مری
تری مراد پہ ہے دور آسمان، پھر کیا
رکھا مجھے چمن آوارہ مثل موج نسیم

عطا فلک نے کیا تجھ کو آشیاں، پھر کیا

فزون ہے سود سے سرمایہ حیات ترا

مرے نصیب میں ہے کاوش زیاں، پھر کیا

ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے

مرا جہاز ہے محروم بادباں، پھر کیا

قوی شدیم چہ شد، ناتواں شدیم چہ شد

چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چہ شد

بہیچ گونہ دریں گلستان قرارے نیست

توگر بہار شدی، ما خزاں شدیم، چہ شد

بانگِ درا

تضمین بر شعر ابوطالب کلیم

علامہ محمد اقبال

خوب ہے تجھ کو شعار صاحب یثرب کا پاس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں

جس سے تیرے حلقہ خاتم میں گردوں تھا اسیر
اے سلیمان! تیری غفلت نے گنویا وہ نگیں

وہ نشان سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح
ہو گئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبین

دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی ہے باکی تھی حیرت آفریں

تیرے آبا کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے
ہے وہی باطل ترے کاشانہ دل میں مکین

غافل! اپنے آشیاں کو آ کے پھر آباد کر
نغمہ زن ہے طور معنی پر کلیم نکتہ بین

”سرکشی باہر کہ کردی رام او باید شدن،
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی، آنجا نشین“

بانگِ درا

شبلی و حالی

علامہ محمد اقبال

مسلم سے ایک روز یہ اقبال نے کہا
دیوان جزو و کل میں ہے تیرا وجود فرد

تیرے سرود رفتہ کے نغمے علوم نو
تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد

پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی
نازک بہت ہے اُنّے آبروئے مرد

مردان کار، ڈھونڈ کے اسباب حادثات

کرتے ہیں چارہ ستم چرخ لاجورد

پوچھ ان سے جو چمن کے ہیں دیرینہ راز دار
کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن سے ہم نبرد

مسلم مرے کلام سے بے تاب ہو گیا
غماز ہو گئی غم پنہاں کی آہ سرد

کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خزاں
اوراق ہو گئے شجر زندگی کے زرد

خاموش ہو گئے چمنستاں کے راز دار
سرمایہ گداز تھی جن کی نوائے درد

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نور

""اکنون کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

بابل چه گفت و گل چه شنید و صبا چه کرد"

بانگِ درا

علامہ محمد اقبال

ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حیاتِ شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی

سکوتِ شام سے تا نغمہٴ سحر گاہی
ہزارِ مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی

کشا کش زم و گرما، تپ و تراش و خراش
ز خاک تیرہ دروں تا بہ شیشہ حلبی

مقام بست و شکت و فشار و سوز و کشید
میان قطرہ نیسان و آتش عنبی

اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

""مغان کہ دانہ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند، آفتاب می سازند""

صدیق

اک دن رسول پاک نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار

ارشاد سن کے فرط طرب سے عمر اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرضکہ مال رسول امیں کے پاس
ایٹار کی بے دست نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرور عالم نے ، اے عمر!
اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو بے قرار

رکھا بے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم بے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ بے نثار

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز ، جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

ملک یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضور، چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر!
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار!

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

بانگِ درا

تہذیبِ حاضر

تضمین، بر شعر فیضی

حرارت ہے بلا کی بادہ تہذیبِ حاضر میں
بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی

کیا ذرے کو جگنو دے کے تابِ مستعار اس نے
کوئی دیکھے تو شوخیِ آفتابِ جلوہ فرما کی

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

تغیر آگیا ایسا تدبیر میں، تخیل میں
بنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لیکن

مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت ، خود فروشی ، ناشکیبائی ، بوسناکی

فروغ شمع نو سے بزم مسلم جگمگا اٹھی
مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ ادراکی

""تو اے پروانہ ! این گرمی ز شمع محفلے داری
چو من در آتش خود سوز اگر سوز دلے داری""

بانگِ درا

والدہ مرحومہ کی یاد میں

ذره ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے

آسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

ہے شکت انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں

نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں

قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے ، لطف زیر و بم رہتا نہیں

علم و حکمت رہزن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے

گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری مایہ دار اشک عنابی نہیں

جاننا ہوں آہ ، میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز

میرے لب پر قصہ نیرنگی دوران نہیں
دل مرا حیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں

پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ! یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے

گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقل سنگدل شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا
عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار

خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد اؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد میں اؤں گا!

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

وہ جوان، قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبار زندگی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا

تجھ کو مثل طفلک بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں ہو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا ، یہ ماتم خانہ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر!

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشن بستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایامِ ہیں!

کلبہٴ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آرا قلمِ خاموش میں
ٹوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے
زندگانی کیا ہے، اک طوقِ گلو افشار ہے!

قافلے میں غیر فریادِ درا کچھ بھی نہیں
اک متاعِ دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پردہٴ گردوں ابھی اور بھی

سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا

جھاڑیاں، جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاوداں

خفتہ خاک ہے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
نوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات

بے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہ غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے

جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب

موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا

اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر

فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

آہ سیماب پریشان ، انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ، ممنون شب ہے جن کا سوز

عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے

پھر یہ انساں، آن سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر

جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا

کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی ہے خواب ہے

کس قدر نشوونما کے واسطے ہے تاب ہے

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے

خود نمائی ، خود فزائی کے لیے مجبور ہے

سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں

خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ

موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوت آشفته کی شیرازہ بند

ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند

موت، تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجین پر کچھ نہیں

کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر ، غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقہ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے

وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تیغ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رواں

ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے

آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

رخت ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے

آہ، یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دل آسائی، فراموشی نہیں

پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح

لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمست نوا کرتی ہے یہ

سینہٴ بلب کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے

خفتگان لالہ زار و کوہسار و رود باد
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمنار

یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انسان کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

دام سیمین تخیل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہاں ہے ثبات

مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولان گاہ ہے

ہے وہاں ہے حاصلی کشت اجل کے واسطے
ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے

نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقہ افکار انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بانگِ درا

شعاعِ آفتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظارہ تھی
آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی

میں نے پوچھا اس کرن سے ""اے سراپا اضطراب!
تیری جان نا شکبیا میں بے کیسا اضطراب

تو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے کہ جس کو آسماں
کر رہا ہے خرمن اقوام کی خاطر جوان

یہ تڑپ ہے یا ازل سے تیری خو ہے، کیا ہے یہ
رقص ہے، آوارگی ہے، جستجو ہے، کیا ہے یہ ""؟

""خفتہ ہنگامے ہیں میری ہستی خاموش میں

پرورش پائی ہے میں نے صبح کی آغوش میں

مضطرب ہر دم مری تقدیر رکھتی ہے مجھے

جستجو میں لذت تنویر رکھتی ہے مجھے

برق آتش خو نہیں، فطرت میں گوناری ہوں میں

مہر عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں

سرمہ بن کر چشم انساں میں سما جاؤں گی میں

رات نے جو کچھ چھپا رکھا تھا، دکھلاؤں گی میں

تیرے مستوں میں کوئی جو پائے ہشیاری بھی ہے

سونے والوں میں کسی کو ذوق بیداری بھی ہے؟

عرفی

محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تخیل نے
تصدق جس پہ حیرت خانہ سینا و فارابی

فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نوا ایسی
میسر جس سے ہیں آنکھوں کو اب تک اشک عنابی

مرے دل نے یہ اک دن اس کی تربت سے شکایت کی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامان بیتابی

مزاج اہل عالم میں تغیر آگیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی

فغان نیم شب شاعر کی بار گوش ہوتی ہے
نہ ہو جب چشم محفل آشنائے لطف بے خوابی

کسی کا شعلہ فریاد ہو ظلمت ربا کیونکر

گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی آسماں تابی

صدا تربیت سے آئی "شکوہ اہل جہاں کم گو
نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی"

ایک خط کے جواب میں

ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں ہمت تگ و تاز
حصول جاہ ہے وابستہ مذاق تلاش

ہزار شکر، طبیعت ہے ریزہ کار مری
ہزار شکر، نہیں ہے دماغ فتنہ تراش

مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثال سحاب دریا پاش

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں
کہ فیض عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

ہوائے بزم سلاطین دلیل مردہ دلی
کیا ہے حافظ رنگیں نوا نے راز یہ فاش

""گرت ہوا ست کہ با خضر ہم نشیں باشی
نہاں ز چشم سکندر چو آب حیواں باش""

نانک

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی

آہ! بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
بند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا

شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی

آہ! شوہر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

برہمن سرشار ہے اب تک مہ پندار میں
شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں

بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

بانگِ درا

کفر و اسلام

تضمین بر شعر میر رضی. دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے
اے کہ تیرے نقش پا سے وادی سینا چمن

آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
ہو گیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوز کہن

تھا جواب صاحب سینا کہ مسلم ہے اگر
چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن

ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پروا نہ کر
منتظر رہ وادی فاراں میں ہو کر خیمہ زن

عارضی ہے شان حاضر ، سطوت غائب مدام
اس صداقت کو محبت سے ہے ربط جان و تن

شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کیا
"شمع خود رامی گدازد درمیان انجمن

نور ما چوں آتش سنگ از نظر پنہاں خوش است"

بلال

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہل قلم میں جس کا بہت احترام تھا

جولاں گہ سکندر رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے، خام تھا

دنیا کے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلک نیل فام تھا

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بلال، وہ حبشی زادہ حقیر
فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر

جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بلال
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر

اقبال! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا ، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تعلیم جدید

تضمین برشعر ملک قمی

مرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلم شوریدہ سر
لازم ہے رہو کے لیے دنیا میں سامان سفر

بدلی زمانے کی ہوا ، ایسا تغیر آگیا
تھے جو گراں قیمت کبھی، اب ہیں متاع کس مخر

وہ شعلہ روشن ترا ظلمت گریزاں جس سے تھی
گھٹ کر ہوا مثل شرر تارے سے بھی کم نور تر

شیدائی غائب نہ رہ، دیوانہ موجود ہو
غالب ہے اب اقوام پر معبود حاضر کا اثر

ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو بار آور تری
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز پر

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم مثل نیشتر

ربر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے
واجب ہے صحرا گرد پر تعمیل فرمان خضر

لیکن نگاہ نکتہ بین دیکھے زبوں بختی مری
"رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر

یک لحظ غافل گشتم و صد سالہ را ہم دور شد"

پھولوں کی شہزادی

کلی سے کہہ رہی تھی ایک دن شبنم گلستان میں
رہی میں ایک مدت غنچہ ہائے باغ رضواں میں

تمہارے گلستان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
نگہ فردوس در دامن ہے میری چشم حیراں میں

سنا ہے کوئی شہزادی ہے حاکم اس گلستان کی
کہ جس کے نقش پا سے پھول ہوں پیدا بیاباں میں

کبھی ساتھ اپنے اس کے آستان تک مجھ کو تو لے چل
چھپا کر اپنے دامن میں برنگ موج بو لے چل

کلی بولی، سریر آرا ہماری ہے وہ شہزادی
درخشاں جس کی ٹھوکر سے ہوں پتھر بھی نگین بن کر

مگر فطرت تری افتندہ اور بیگم کی شان اونچی
نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم نشیں بن کر

پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
کسی دکھ درد کے مارے کا اشک آتشیں بن کر

نظر اس کی پیام عید ہے اہل محرم کو
بنا دیتی ہے گوہر غم زدوں کے اشک پیہم کو

تضمین بر شعراء

کہاں اقبال تو نے آ بنایا آشیان اپنا
نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامان رسوائی

شرارے وادی ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن
نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمیں سے تخم سینائی

کلی زور نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی
جہاں ہر شے ہو محروم تقاضائے خود افزائی

قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہل گلستاں کی
نہ ہے بیدار دل پیری، نہ ہمت خواہ برنائی

دل آگاہ جب خوابیدہ ہو جاتے ہیں سینوں میں
نو اگر کے لیے زہراب ہوتی ہے شکر خانی

نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے

کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرا کی تنہائی

""ہماں بہتر کہ لیلی در بیاباں جلوہ گر باشد

ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی""

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز

حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز

اے آنکہ ز نور گہر نظم فلک تاب

دامن بہ چراغ مہ اختر زدہ ای باز!

کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیان کر

واماندہ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز

مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں؟
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز

باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ ""اے صاحب اعجاز

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا ، پاؤگے تعلیم سے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی، طائر دیں کر گیا پرواز

دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے ، جمعیت ملت ہے اگر ساز

بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز

پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم"

(سعدی)

مذہب

تضمین برشعر میرزا بیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش

پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

مذہب ہے جس کا نام، وہ ہے اک جنون خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش

کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

""با ہر کمال اند کے آشفگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہ ای ہے جنوں مباح""

جنگ یرموک کا ایک واقعہ

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام

اک نوجوان صورت سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیر عساگر سے ہم کلام

اے بو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکوں کو جام

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں

لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

یہ ذوق و شوق دیکھ کے پریم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ ہے نیام

بولا امیر فوج کہ ""وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

پوری کرے خدائے محمد تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام!

پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پہ کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے"

مذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

بانگِ درا

پیوستہ رہ شجر سے، امید بہار رکھا!

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ

ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے

ہے تیرے گلستاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زر کامل عیار سے

جو نغمہ زن تھے خلوت اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجر سایہ دار سے

شاخ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
ناآشنا ہے قاعدہ روزگار سے

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے ، امید بہار رکھ!

شب معراج

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو، وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبلی کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے
تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پا بہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

تتک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے
نہ رہ منت کش شبنم نگوں جام وسبو کر لے

نہیں یہ شان خود داری ، چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے ، کوئی زیب گلو کر لے

چمن میں غنچہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاق جور گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں ناآشنا رہنا
جہان رنگ و بو سے، پہلے قطع آرزو کر لے

اسی میں دیکھ ، مضر ہے کمال زندگی تیرا
جو تجھ کو زینت دامن کوئی آئینہ رو کر لے

شیکسپیر

شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ

نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ

برگ گل آئینہ عارض زیبائے بہار

شاہد مے کے لیے حجلہ جام آئینہ

حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن

دل انسان کو ترا حسن کلام آئینہ

ہے ترے فکر فلک رس سے کمال ہستی

کیا تری فطرت روشن تھی مآل ہستی

تجھ کو جب دیدہ دیدار طلب نے ڈھونڈا

تاب خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا

چشم عالم سے تو ہستی ربی مستور تری
اور عالم کو تری آنکھ نے عریاں دیکھا

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
راز داں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

میں.اورتو

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری، تو قتل شیوہ آزی

میں نوائے سوختہ در گلو ، تو پریدہ رنگ، رمیدہ بو
میں حکایت غم آرزو ، تو حدیث ماتم دلبری

مرا عیش غم، مرا شہد سم ، مری بود ہم نفس عدم
ترا دل حرم، گرو عجم ترا دین خریدہ کافری

دم زندگی رم زندگی، غم زندگی سم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا!
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی وہی مرحبی، وہی عنتری

كرم اے شہ عرب و عجم كه كهڑے ہيں منتظر كرم
وہ گدا كه تو نے عطا كيا ہے جنھيں دماغ سكوندرى

اسيرى

ہے اسيرى اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرہ نيساں ہے زندان صدف سے ارجمند

مشك اذفر چيز كيا ہے ، اك لہو كى بوند ہے
مشك بن جاتى ہے ہو كر نافہ آہو ميں بند

ہر كسى كى تربيت كرتى نہيں قدرت، مگر
كم ہيں وہ طائر كه ہيں دام وقفس سے بہرہ مند

""شہپر زاغ و زغن در بند قيد و صيد نيست

ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند"

خلافت

دریوزہ

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے، جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

"مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگران خواستن مومیائی"

ہمایوں

(مسٹر جسٹس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

گرچہ تھا تیرا تن خاکی نزار و دردمند
تھی ستارے کی طرح روشن تری طبع بلند

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلہ گردوں نورد اک مشت خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

خضرِ راہ

شاعر

ساحل دریا پہ میں اک رات تھا محو نظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب

شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طلسم مابتاب

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب

کہہ رہا ہے مجھ سے، اے جویئے اسرار ازل!
چشم دل وا ہو تو ہے تقدیر عالم بے حجاب

دل میں یہ سن کر پیا ہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا، یوں سخن گستر ہوا

اے تری چشم جہاں ہیں پر وہ طوفان آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش

"کشتی مسکین، و "جان پاک" و "دیوار یتیم،
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا دوش

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خرّوش

ہو رہا ہے ایشیا کا خرّہ دیرینہ چاک
نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے!

جواب.خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگا پوئے دما دم زندگی کی ہے دلیل

اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا ہے پروا خرام
وہ حضر ہے برگ و ساماں، وہ سفر ہے سنگ و میل

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب

جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں

اہل ایمان جس طرح جنت میں گرد سلسبیل

تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل

زندگی

پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی

ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر ہے کراں ہے زندگی

آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب

اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے

خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعل گراں پیدا کرے

سوئے گردوں نالہ شب گیر کا بھیجے سفیر

رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے

یہ گھڑی محشر کی ہے ، تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل ، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیہ "ان الملوك"
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقہ گردن میں ساز دلبری

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

سروری زیبا فقط اس ذات ہے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی، باقی بتان آزی

از غلامی فطرت آزاد را رسوا مکن
تا تراشی خواجہ ے از برہمن کافر تری

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس ائین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

گرمی گفتار اعضائے مجالس، الاماں!

یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زر گری

اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو

آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے

خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات

اے کہ تجھ کو کہا گیا سرمایہ دار حیلہ گر

شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی

اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات

کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکرکی لذت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک

نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تلک

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تلک

باغبان چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک

کرمک ناداں! طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ

اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبور نیاز

لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مہ سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلمان کا لہو

مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

گفت رومی "ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند"

می ندانی "اول آن بنیاد را ویراں کنند"

"ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں"

حق ترا چشمے عطا کردست غافل در نگر

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست

مور بے پر! حاجتے پیش سلیمانے مبر

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو

ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں ، مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استور
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اے کہ شناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابوبکر و علی ہشیار باش

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج

موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر، دیکھ

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
بر زماں پیش نظر، "لايخلف الميعاد" دار

بانگِ درا

طلوع اسلام

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابى
افق سے آفتاب ابھرا ،گيا دور گراں خوابى

عروق مردہ مشرق ميں خون زندگى دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابى

مسلمان کو مسلمان کر ديا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دريا ہى سے ہے گوہر كى سیرابى

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شكوه تركمانى، ذہن ہندى، نطق اعرابى

اثر كچھ خواب كا غنچوں ميں باقى ہے تو اے بلبل!
"نوا را تلخ تر مى زن چو ذوق نغمه كم يابى"

تڑپ صحن چمن ميں، آشيان ميں ، شاخساروں ميں

جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مرد غازی کی جگر تابی

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

رہود آن ترک شیرازی دل تیریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خون ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی ہے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زیاں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی

ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

مکان فانی ، مکین آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمار جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضر کا گویا امتحاں تو ہے

جہاں آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغان تو ہے

یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

میان شاخساراں صحبت مرغ چمن کب تک!
ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہستانی

گمان آباد ہستی میں یقین مرد مسلمان کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل ربانی

مٹایا قیصر و کسری کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زور حیدر، فقر بو ذر، صدق سلمانی

ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تجمل سے

تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی

ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت ، پادشاہی ، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتہ ایمان کی تفسیریں

برابری نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے ، مشرب نابے
دل گرمے ، نگاہ پاک بینے ، جان بیتابے

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو ، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خون شفق میں ٹوب کر نکلے

ہوئے مدفون دریا زیر دریا تیرنے والے

طمانچے موج کے کھاتے تھے ، جو ، بن کر گہر نکلے

غبار رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

زمین سے نور بان آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ، ادھر نکلے ادھر ڈوبے ، ادھر نکلے

بقیہ افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے

یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

تو راز کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجمان ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل! اچھل کر بے کران ہو جا

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم! اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا

خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر

شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرو مندان مغرب کو
ہوس کے پنچہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

خروش آموز بلبل ہو ، گرہ غنچے کی وا کر دے
کہ تو اس گلستان کے واسطے باد بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے جنگاری محبت کی
زمین جولاں گہ اطلس قبایان تتاری ہے

بیا پیدا خریدارست جان ناتوانے را
"پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے ر"

بیا ساقی نوائے مرغ زار از شاخسار آمد
بہار آمد نگار آمد نگار آمد قرار آمد

کشید ابر بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا

صدائے آبشاران از فراز کوبسار آمد

سرت گرم تو ہم قانون پیشین سازده ساقی
کہ خیل نغمہ پردازان قطار اندر قطار آمد

کنار از زابدان برگیروبے باکانہ ساغر کش
پس از مدت ازین شاخ کہن بانگ ہزار آمد

بہ مشتاقان حدیث خواجہ بدر و حنین آور
تصرف ہاے پنہانش بچشم آشکار آمد

دگر شاخ خلیل از خون ما نم ناک می گرد
بیا زار محبت نقد ما کامل عیار آمد

سر خاک شہیدے برگہاے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہال ملت ما سازگار آمد

""بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم

فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم"

بانگِ درا

غزلیات

اے باد صبا! کملی والے سے جا کہو پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا
ہے دور وصال بحر بھی، تو دریا میں گھبرا بھی گئی!

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجاب محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی لیلا بھی گئی

کی ترک تگ و دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
آوارگی فطرت بھی گئی اور کشمکش دریا بھی گئی

نکلی تو لب اقبال سے ہے، کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی

یہ سرود قمری و بلبل فریب گوش ہے
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے

تیرے پیمانوں کا ہے یہ اے مے مغرب اثر
خندہ زن ساقی ہے، ساری انجمن بے ہوش ہے

دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے

آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے، وہ دل نہیں
پہلوئے انسان میں اک ہنگامہ خاموش ہے

زندگی کی رہ میں چل، لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے
آہ، اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہے

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

ہے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل

عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی

شیوہ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی

تو ہے زناری بت خانہ ایام ابھی

عذر پرہیز پہ کہتا ہے بگڑ کر ساقی

ہے ترے دل میں وہی کاوش انجام ابھی

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات

تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

ابر نیساں! یہ تنک بخشی شبنم کب تک

مرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی

بادہ گردان عجم وہ ، عربی میری شراب

مرے ساغر سے جھجکتے ہیں مے آشام ابھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستان سے نسیم

نو گرفتار پھڑکتا ہے تہ دام ابھی

پردہ چہرے سے اٹھا ، انجمن آرائی کر

چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر

تو جو بجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک

ہے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر

نفس گرم کی تاثیر ہے اعجاز حیات

تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر

کب تلک طور پہ درپوزہ گری مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیر حرم
دل کو بیگانہ انداز کلیسائی کر

اس گلستان میں نہیں حد سے گزرنا اچھا
ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر

پہلے خود دار تو مانند سکندر ہو لے
پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر

مل ہی جائے گی کبھی منزل لیلی اقبال!
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

پھر باد بہار آئی ، اقبال غزل خواں ہو
غنچہ ہے اگر گل ہو ، گل ہے تو گلستاں ہو

تو خاک کی مٹھی ہے ، اجزا کی حرارت سے
برہم ہو، پریشاں ہو ، وسعت میں بیاباں ہو

تو جنس محبت ہے ، قیمت ہے گراں تیری
کم مایہ ہیں سوداگر ، اس دیس میں ارزاں ہو

کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری
تو نغمہ رنگیں ہے ، ہر گوش پہ عریاں ہو

اے رہرو فرزانه! رستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شبنم ہو، صحرا ہے تو طوفاں ہو

سامان کی محبت میں مضمحل ہونے کی آسانی
مقصد ہے اگر منزل ، غارت گر سامان ہو

کبھی اے حقیقت منتظر نظر لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرم گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردہ ساز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا اُنہ ہے وہ اُنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ اُنہ ساز میں

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں، نہ مری حدیث گداز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم بے زلف ایاز میں

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو بے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

تہ دام بھی غزل آشنا رہے طائران چمن تو کیا
جو فغاں دلوں میں تڑپ رہی تھی، نوائے زیر لبی رہی

ترا جلوہ کچھ بھی تسلی دل ناصبور نہ کر سکا

وہی گریہ سحری رہا ، وہی آہ نیم شبی رہی

نہ خدا رہا نہ صنم رہے ، نہ رقیب دیر حرم رہے

نہ رہی کہیں اسد اللہی، نہ کہیں ابولہبی رہی

مرا ساز اگرچہ ستم رسیدہ زخمہ ہائے عجم رہا

وہ شہید ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

گرچہ تو زندانی اسباب ہے

قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اے مسلمان! ہر گھڑی پیش نظر
آیہ "لا یخلف المیعاد" رکھ

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے
"ان وعدہ اللہ حق" یاد رکھ

بانگِ درا

ظریفانہ

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں

رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ

روش مغربی ہے مد نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بد ظن ہو گئے

وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف

”پروہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند!
یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند!

غیرت نہ تجھ میں ہو گی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض

کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے، بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ

بستے ہیں بند میں جو خریدار ہی فقط
آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

میرا یہ حال، لوٹ کی ٹو چاٹنا ہوں میں
ان کا یہ حکم، دیکھا! مرے فرش پر نہ رینگ

کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھدا سا جانور
اچھی ہے گائے، رکھتی ہے کیا نوک دار سینگ

کچھ غم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست
تہذیب نو کے سامنے سر اپنا خم کریں

رد جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا
تردید حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ!
دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے
تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ ""بل پیش کیجیے!""

انتہا بھی اس کی ہے؟ آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں، رومال، مفلر، پیربن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسل کابل سے، کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنڑ سب بلوری بیوں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

اس دور میں سب مٹ جائیں گے، ہاں! باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

اے شیخ و برہمن، سنتے ہو! کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے ، دستور محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے

”اصل شہود و شہاد و مشہود ایک ہے“
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکر غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ! سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے والوں سے کل اہل دیر کیا

ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے
افت بتوں سے ہے تو برہمن سے بیر کیا!

ہاتھوں سے اپنے دامن دنیا نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی

قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
پوچھو تو، وقف کے لیے بے جائداد بھی!

وہ مس بولی ارادہ خودکشی کا جب کیا میں نے
مہذب ہے تو اے عاشق! قدم باہر نہ دھر حد سے

نہ جرأت ہے ، نہ خنجر ہے تو قصد خودکشی کیسا
یہ مانا درد ناکامی گیا تیرا گزر حد سے

کہا میں نے کہ اے جاں جہاں کچھ نقد دلوا دو
کرائے پر منگا لوں گا کوئی افغان سرحد سے

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
حاصل ہوا یہی، نہ بچے مار پیٹ سے

مغرب میں ہے جہاز بیاباں شتر کا نام
ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی کمال کا

ہم تو فقیر تھے ہی، ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اب امرا بھی "سوال" کا

ممیری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے ، پیسے بھی دلوائیں گے کیا؟

میرزا غالب خدا بخشے ، بجا فرما گئے
"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟"

دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا ہوگی
نہ ہو حضور سے الفت تو یہ ستم نہ سہیں

مصر ہے حلقہ ، کمیٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے کلکٹر کو بھانپ لیں تو کہیں

سند تو لیجیے ، لڑکوں کے کام آئے گی
وہ مہربان ہیں اب، پھر رہیں، رہیں نہ رہیں

زمین پر تو نہیں بندیوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں

مثال کشتی بے حس مطیع فرماں ہیں
کہو تو بستہ ساحل رہیں ، کہو تو بہیں

فرما رہے تھے شیخ طریق عمل پہ وعظ
کفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوش

مشرک ہیں وہ جو رکھتے ہیں مشرک سے لین دین

لیکن ہماری قوم ہے محروم عقل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
سن لے، اگر ہے گوش مسلمان کا حق نبوش

اک بادہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
جس کے لیے نصیحت واعظ تھی بار گوش

کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش

میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
ہندوستان میں ہیں کلمہ گو بھی مے فروش

دیکھے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
شیشہ دیں کے عوض جام و سبو لیتا ہے

ہے مداوائے جنون نشترِ تعلیمِ جدید
میرا سرجنِ رگِ ملت سے لہو لیتا ہے

گائے اک روز ہوئی اونٹ سے یوں گرم سخن
گائے اک روز ہوئی اونٹ سے یوں گرم سخن

نہیں اک حال پہ دنیا میں کسی شے کو قرار

میں تو بد نام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
سنتی ہوں آپ نے بھی توڑ کے رکھ دی ہے مہار

ہند میں آپ تو از روئے سیاست ہیں اہم
ریل چلنے سے مگر دشتِ عرب میں بیکار

کل تلک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ صدائے زنبہار

آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
نہ رہا آئنہ دل میں وہ دیرینہ غبار

جب یہ تقریر سنی اونٹ نے، شرما کے کہا
ہے ترے چاہنے والوں میں ہمارا بھی شمار

رشک صد غمزہ اشتر ہے تری ایک کلیل
ہم تو ہیں ایسی کلیلوں کے پرانے بیمار

ترے ہنگاموں کی تاثیر یہ پھیلی بن میں
ہے زبانوں میں بھی پیدا ہے مذاق گفتار

ایک ہی بن میں ہے مدت سے بسیرا اپنا
گرچہ کچھ پاس نہیں، چارا بھی کھاتے ہیں ادھار

گوسفند و شتر و گاو و پلنگ و خر لنگ
ایک ہی رنگ میں رنگیں ہوں تو ہے اپنا وقار

باغبان ہو سبق آموز جو یکرنگی کا
ہمزبان ہو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار

دے وہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی
تو بھی سرشار ہو، تیرے رفقا بھی سرشار

"دلِ حافظ بچہ ارزد بہ میث رنگیں کن
وانگہش مست و خراب از رہ بازار بیار"

رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے
ماجرا اپنی نا تمامی کا

مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو
صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
اور یہ بسوہ دار، بے زحمت
پی گیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نو ، جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا
کیا خوب ہوئی آشتی شیخ و برہمن
اس جنگ میں آخر نہ یہ ہارا نہ وہ جیتا
مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے "بدری"
مسجد سے نکلتا نہیں، ضدی بے مسیت"

جان جائے ہاتھ سے جائے نہ ست
ہے یہی اک بات ہر مذہب کا نت

چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں
ساہو کاری، بسوہ داری، سلطنت

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون

حکمت و تدبیر سے یہ فتنہ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا ، وقد کنتم بہ تستعجلون،

"کھل گئے، یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف "ینسلون"

شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل
رکھ کے میخانے کے سارے قاعدے بالائے طاق

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام
رنگ اک پل میں بدل جاتا ہے یہ نیلی رواق

حضرت کرزن کو اب فکر مداوا ہے ضرور
حکم برداری کے معدے میں ہے درد لایطاق

وفد ہندستان سے کرتے ہیں سرآغا خاں طلب
کیا یہ چورن ہے پئے ہضم فلسطین و عراق؟

تکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز
دونوں یہ کہہ رہے تھے، مرا مال ہے زمیں

کہتا تھا وہ، کرے جو زراعت اسی کا کہیت
کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں

پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین

مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے

جو زیر آسماں ہے ، وہ دھرتی کا مال ہے

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الکشن، ممبری، کونسل، صدارت

بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ

نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا بے مالک مردک ناکردہ کار
عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اسے ناسازگار

حکم حق ہے لیس لانا انسان الا ماسعی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پہل سرمایہ دار

سنا ہے میں نے، کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا

مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

**

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا

تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں، پر کیا لذت اس رونے میں

جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

تشکر: علامہ اقبال ڈاٹ کام

مزید ٹائپنگ: مہوش علی، سیدہ شگفتہ

پروف ریڈنگ اور ای بک: اعجاز عبید

اردو لائبریری ڈاٹ آرگ، کتابیں ڈاٹ آئی فاسٹ نیٹ ڈاٹ کام اور کتب ڈاٹ 250 فری ڈاٹ کام کی مشترکہ

پیشکش http://urdulibrary.org, htaben.ifastnet.com, http://kutub.250free.comtp://kit